''خدا حافظ۔''میں نے ہاتھ بڑھایا۔

''تم سیمی سے ملے۔۔۔۔۔؟۔۔۔۔''نظریں جھکا کر اس نے پوچھا۔

''تمہاری شادی کے روز ملا تھا پھر وہ پنڈی چلی گئی۔''

''کیسی ہے؟''

''ٹھیک ہی ہوگی۔''

''میں کوشش کروں گا۔''

''کیسی کوشش؟۔۔۔۔''میں نے پوچھا۔

''کہ۔۔۔۔۔کہ پاکستان کبھی نہ آؤ۔۔۔۔شاید وقت۔۔۔۔فاصلے۔۔۔۔شاید دوری۔۔۔۔اچھا خدا حافظ۔''

''سنو آفتاب۔۔۔سنو وہ جب بھی مجھ سے ملے گی ضرور پوچھے گی۔۔۔۔''پتہ نہیں یکدم میں نے کیا سوچ کر کہا۔

''کیا؟۔''

''بس پوچھے گی سب کچھ۔۔۔۔تمہاری بیوی سے لیکر تمہارے متعلق۔''

''مثلاً کیا۔۔۔۔''اب اسے بیگ وزنی لگنے لگے تھے اور وہ کندھے جھٹکنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

''مثلاً یہی کہ۔۔۔۔۔کہ آفتاب خوش تھا؟''

وہ ہنس دیا۔۔۔۔قالین فروش باپ کا بیٹا۔۔۔۔۔تازہ ٹیشو پیپر جیسی تازہ مسکراہٹ والا آفتاب۔

''قیوم آگے جانے والے پیچھے رہے ہوئے لوگوں کی طرح کبھی یاد نہیں کرتے گھر سے بندھی ہوئی گائے اور طرح یاد کرتی ہے اور تانگے میں جتا ہوا گھڑا اور طرح جن سے یاد کرتا ہے جس کو کچھ مل جائے۔اچھا یا برا اس کی یادداشت کمزور ہونے لگتی ہے جن کو سب کچھ کھو کر اس کا ٹوٹا پھوٹا نعم البدل بھی نہ ملے ان کا حافظہ بہت تیز

ہو جاتا ہے۔اور ہر یاد بھالے کی طرح ترتی ہے۔۔۔۔دل میں۔۔۔سیمی۔۔۔۔
اور۔۔۔۔میری سچویشن میں بہت فرق ہے قیوم۔"

"آفتاب۔"

"کہو۔"

"تمہیں سیمی سے محبت ہے؟۔۔۔۔بولو۔۔۔۔تمہیں سیمی سے محبت ہے کہ نہیں؟وہ مجھ سے پوچھ گی۔۔۔ضرور۔۔۔"

آفتاب نے مڑ کر اپنی بیوی کی طرف دیکھا رشتہ داروں کو ہاتھ ہلا کر الوداع کہا اور کندھوں پر بیگ درست کرتا ہوا بیوی کی جانب مڑ گیا۔

مجھے خدا جانے کیوں شبہ ہوا کہ وہ رو رہا ہے۔

کچھ دیر وہیں کھڑا رہا پھر باہر نکلا۔بھائی مختار کی موٹر سائیکل سٹینڈ سے لی اور ائیر پورٹ سے باہر نکل آیا۔

پتہ نہیں میں ائیر پورٹ کیوں گیا تھا۔

آفتاب میرا دوست نہیں تھا اس سے میری کوئی بے تکلفی بھیں تھی پھر بھی مجھے لگ رہا تھا کہ پتہ نہیں کیوں اگر میں کبھی لندن گیا تو اس سے ملے بغیر نہ رہ سکوں گا۔۔۔۔دنیا میں آفتاب سے زیادہ کوئی میرے قریب نہ تھا

کیا اس کی وجہ سیمی تھی۔

کیا ان دونوں کی محبت کی وجہ سے میں انہیں ملنے پر مجبور تھا؟۔۔۔۔میں سوچتا جا رہا تھا۔

چھاؤنی میں پڑنے والی شام کا سکوت میرے موٹر سائیکل کے شور سے ٹوٹ رہا تھا۔

عجیب بات ہے شام کے وقت بجلی کی روشنی کے باعث غروب آفتاب کو کوئی نہیں پہچانتا پر ہمارے اندر رہنے والے پتھر اور دھات کے زمانے والے انسان کے ساتھ

بہت کچھ بیت جاتی ہے۔۔۔۔تہذیب کے ہر قیدی کے اندر سانس کے ساتھ شام داخل ہوتی ہے شام چاہے سردیوں کی ہو چاہے برساتوں کی چاہے اس میں گرمی کی لو شامل ہو یا خزاں دیدہ پتوں کی سرسراہٹ۔۔۔۔شام کا انسان کے ساتھ بڑا گہرا تعلق ہے۔۔۔۔کندھے پر شکار کیا ہوا بارہ سنگھا لٹکائے ہزاروں سال پہلے غار کا رہنے والا جس طرح گھر کو بھاگتا تھا۔آج بھی اپنی اپنی جان کو کندھوں پر مشکیر ہے کی طرح لٹکائے سب شہری لوگ پناہ کی طرف بھاگتے ہیں

سب شام سے بدکتے ہیں

اندھیرے سے ڈرتے ہیں

ان ہونی ان دیکھی ان کہی سے سب کے ہونٹ سوکھتے ہیں

شام کو بسوں کا رنگ، تانگوں کی رفتار، کاروں کا مڑنا، دوکانوں کے شوکیس، سائیکلوں کی گھنٹیاں، رکشا کے گیئر سب۔۔۔۔سارا شہر خطرے کی گھنٹیاں بجانے لگتا ہے بے جان عمارتیں اپنی کھڑکیاں دروازے کھولنے بند کرنے کے عمل میں مصروف ہو جاتی ہیں خوفزدہ لوگ گھروں سے کافی ہاؤس، کلب، سینما، ہوٹل میں پناہ لیتے ہیں۔۔۔کسی آشنا کا چہرہ، کسی محبوب کا لمس، کسی دوست کی غم آشنا آنکھیں، کسی بچے کی کھلی باہیں، کسی عورت کے ڈھیلے قدموں کی چاپ، بریک لگنے والی آواکسی سٹینڈ پر سائیکل کھڑی کرنے کا شور۔۔۔۔بلانے بٹھائے قریب ہونے کی گھڑی یہ سب کچھ اور اس سے سوا اور بہت کچھ۔۔۔۔

یہ سب شام کو جالنے کا عمل ہے۔۔۔۔کیونکہ شام رات سے زیادہ غمگین ہوتی ہے، جب اتنا اندھیرا نہیں ہوتا کہ سب کچھ چھپ جائے۔ایسے نظر نہیں آتا جسے دن کو سب کچھ دکھائی دیتا ہے سارے منظر یوں لگتے ہیں جیسے بارش کھڑکی پر پڑ رہی ہو، اور آپ دوسری منزل کی کھڑکی سے دیکھیں کہ آپ کا رقیب نہیں ہے۔کبھی آپ کو گمان گزرے کہ یہ آپ کی محبوبی نہیں ہو سکتی۔۔۔۔شام خوف اور گمان سے بھری

چلی آتی ہے۔

رات آنے سے پہلے لحاف کی کوکھ میں چھپنے سے بہت پہلے اور نیند کے گھٹنے پر سر رکھنے سے بہت پہلے سب ذی روح سورج سے بچھڑنے کا سوگ کرتے ہیں نظام شمسی کا تعلق سورج سے بہت پرانا ہے وہ دوررہ کرایسے گرم کرتا رہتا ہے کہ موسموں کے آنے جانے کی چھاپ دل پر نہیں رہتی۔سورج غروب سے پہلے زمین کا روشن حصہ ہر روز شعلہ رو ہو کر سلگتا ہے پھر اس کے کناروں کو آگ لگ جاتی ہے جیسے ستی ہونے والی عورت کے پلو آگ پکڑ لیں کچھ سورج گنوانے کا غم کچھ آفتاب کا کسی اور خطے میں طلوع ہونے کا حسد روشن زمین کے حصے کو کانسی جیسا روپ عطا کرتا ہے۔ جب بچھڑنا رفتہ رفتہ یقینی ہو جاتا ہے تو شام بیراگنوں جیسا لباس پہن لیتی ہے جیسے بجھی ہوئی راکھ ہو۔روشنی رہتی ہے لیکن نور نہیں رہتا اندھیرے میں سیاہی پوری طرح حلول نہیں کر پاتی۔پھلکیاں بن کر سب طرف بکھر جاتی ہے۔

یہ وقت شام کے سمے ہر شخص کے لیے بڑا اداس ہوتا ہے۔

لوگ دفتروں کو چھوڑ کر سڑکوں پر نکل آتے ہیں عورتیں گھر چھوڑ کر دہلیز پھاٹکوں اور دروازوں پر جا رکتی ہیں بوڑھے سیر کا بہانہ بنا کر چار دیواری سے باہر بھاگنے چاہتے ہیں بچے پارکوں کو پلے گراؤنڈ سے بھاگ کر ماؤں کی طرف سرپٹ آتے ہیں سب وہاں نہیں رہنا چاہتے۔جہاں وہ پہلے موجود ہوتے ہیں۔

موسموں کے تغیر سے کہیں زیادہ رات کی آمد انسان کو خوفزدہ کرتی ہے۔انسان کی سائیکی سے نباتات کی روئیدگی سے جانداروں کی نشوونما سے جمادات کی پوشیدہ طاقت و پختگی کے ساتھ، ہواؤں سمندروں چاند ستاروں سے سورج کا رشتہ بہت پرانا ہے اگر کبھی کوئی شخص کھلی جگہ میں ہو، دریا کا کنارہ، پہاڑ کا دامن کھیتوں کی پگڈنڈی، کھلے کھلیان میں اگر وہ سورج سے بچھڑتے تو اس کی سائیکی کا یہ گونگا پن اجتماعی سائکی کے گونگے پن چھا جاتا ہے اس طرح فرد فرد کی سائیکی کا یہ گونگا پن

اجتماعی سانگی کے گونگے پن کو جنم دیتا ہے ایسی جگہوں میں جہاں لوگوں کا ہجوم ہو، جیسے سینما گھر، ہسپتال، ہوٹل ان میں بھی شام کے وقت عجیب قسم کی خاموشی ٹھہر ٹھہر کر وارد ہوتی ہے بولتے ہوئے چہرے اجتماعی گونگے پن سے نجات حاصل کرنے کے لیے بولتے چلے جاتے ہیں اور خاموش لوگ اور اندر دھنستے جاتے ہیں اور اندر۔۔۔ ۔۔اور اندر محفلوں میں تنہائیوں کی نسبت بڑھنے لگتی ہے۔۔۔۔جلوت خلوت کا روپ دھارتی ہے اور لوگ الگ الگ محسوس کرتے ہیں کہ ان کا یہ احساس کہ وہ مجلس میں رہ کر کس قدر تنہا ہیں بڑھتا جاتا ہے۔

مجھے شام اس پل پر ملی جو چھاؤنی کو شہر سے ملاتی ہے۔اس پل کے عقب میں سٹیڈیم تھا اور سامنے دورویہ سڑک تھی۔لاہور شہر تھا پل کے نیچے ایک دیزل انجن شنٹ کرنے کی حالت میں آجا رہا تھا کچھ آفتاب سے ملنے کا اثر تھا کچھ پل پر اچانک شام سے ملاقات ہوگئی پھر پل کے نیچے شنٹ کرتے ہوئے انجن نے احساس دلایا کہ میں بھی ساری باتوں نے ایک لخت مجھے اداس کر دیا۔

ان دنوں میری عادت تھی کہ جب بھی میں خود ترسی کا شکار ہوتا تو ہمیشہ لارنس باغ چلا جاتا۔

پتہ نہیں لارنس باغ کا نام بدل کر کیوں جناح باغ کر دیا گیا؟ کچھ شہر والوں کی صلاح سے ملکہ وکٹوریا کا بت اٹھوایا جا چکا ہے یار دوستوں نے سڑکوں کے نام اسلامی دیئے ہیں پرانے شہروں کو نئے ناموں سے نواز دیا تا کہ پچھلی تاریخ کا نشان نہ رہے نئی نسل پرانے مظالم کے نشانات نہ دیکھ سکے۔پھر ان کے دل میں وہ نفرت نہ جاگ سکے جو ایسے سمبل دیکھ کر عموماً جوان سال لوگوں میں جاگتی ہے اس طرح بچے اپنی تاریخ سے بھی کٹے رہیں اور روایت کا حصہ بھی نہ بن سکیں۔

میں منٹگمری ہال کی طرف سے باغ میں داخل ہوا چھوٹے سے ٹی سال کے پاس میں نے اپنی موٹر سائیکل پارک کی ایک ڈبیا سگریٹ خریدی پلٹ کر ان چیڑھ کے

درختوں پر نظر ڈالی جو پہاڑوں کو چھوڑ کر شرمندہ شرمندہ میدانوں میں آباد ہو گئے تھے۔ لیکن جن کے دل میں ابھی تک پہاڑوں کو دیکھنے کی آرزو اتنی شدید تھی کہ وہ آسمان کی طرف بہت اوپر نکل گئے تھے۔

باغوں سے محبت کرنے والے لوگ پنجوں پر سڑکوں پر گھاس کے ٹکڑوں پر موجود تھے کہیں دور ریستوران کے سپیکر سے گانے کی آواز آ رہی تھی کھلی لانوں میں اب اکا دوکا کوے موجود تھے اگر میں گھنٹہ بھر پہلے یہاں پہنچتا تو کووں کی ٹولیاں ہزاروں کی تعداد میں لانوں کے گھڑے پانیوں میں نہاتی نظر آتی۔

میں بار بار آفتاب سے ملاقات کی جگالی ذہن میں کر رہا تھا۔

سیمی کہا تھی؟ کیا اسے معلوم تھا کہ آفتاب ملک چھوڑ کر جا چکا ہے۔ وہ پنڈی میں کس کے پاس رہتی تھی۔۔۔۔ کیا کرتی تھی سیمی جیسی لڑکیاں کس قدر بے وقوف ہوتی ہیں جو پچھتاتیں نہیں۔ عشق لاحاصل کی قلابازی کھا کر۔

ملک التجار کا بچہ!

وہ اپنے آپ کو سمجھتا کیا ہے؟

کیا لوگوں کے دل اس لیے ہوتے ہیں کہ اپنے دل بہلانے کے لیے استعمال کیے جائیں۔

کہیں دور باغ میں ایک کوئل بار بار بلک رہی تھی۔

میں آہستہ آہستہ بابا تربت مراد کے مزار کو جانے والی سڑک پر جا رہا تھا۔ پھر میں نے سیمی کو دیکھا۔ کافی فاصلے سے۔۔۔۔ وہ کافور کے درخت تلے زانوؤں پر سر دھرے چپ چاپ بیٹھی تھی۔ کافور کا درخت۔۔۔۔ سیمی۔۔۔۔ اور شام مجھے میرے خوابوں کا حصہ لگے۔۔۔۔ میں آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس کے قریب گیا اور دست بستہ اس کے پاس بیٹھ گیا۔

اس نے آنکھیں نہ کھولیں۔ صرف آنسو اس کی گالوں پر بہنے لگے۔ وہ چغتائی کی

تصویروں میں بنی ہوئی غزال رولڑ کیوں کی طرح اس وقت عشق بلب تھی۔اس کی روح کا ہر مولی کیول زخمی تھا اور وہ عشق کے پانیوں میں یوا تراہی تھی جیسے شہر سیلاب کے پانیوں میں غرقاب ہوتے ہیں۔

''تم پنڈی سے کب آئیں سیمی۔''

سیمی نے جواب نہ دیا۔

''تم۔۔۔۔تم آفتاب کو الوداع کہنے آئی تھیں کہ۔۔۔۔''

وہ پہلے سے زیادہ خاموش ہوگئی یعنی جو آنسو بہہ رہے تھے وہ بھی خشک ہوگئے غالباً یہ وقت راجہ گدھ کا وقت تھا۔شاید میں نے اس مرتی ہوئی سیمی کو چھاؤنی والے پل پر سے دیکھ لیا تھا۔شاید اس متعفن لاشے کی خوشبو میرے نتھنوں میں ائیر پورٹ پر پہنچی تھی وہ اس قدر دبلی ہو چکی تھی کہ اس کی ناک کا تختہ اب چہرے کو دو حصوں میں تقسیم کرتا نظر آتا تھا۔ماتھے کی ہڈی ابھرواں ہو کر آنکھوں پر چھجے کی صورت باہر نکل آئی تھی۔لپ سٹک سے آشنا ہونٹ آج پھیکے بے رنگ اور جھڑ بیری کے بیروں کی طرح جھریوں سے بھرے ہوئے تھے سارے چہرے کا ہاتھوں کا رنگ یرقان زدہ تھا۔

میں نے اس لاش کو ہاتھ لگایا۔

''تم ہوناں قیوم۔۔۔۔''اس نے آنکھیں کھولے بغیر کہا۔

''ہاں۔''

''میں جانتی تھی تم آؤ گے۔۔۔۔مجھے پتہ تھا تم ویسے نہیں ہو۔''

''تمہیں کیسے پتہ سیمی۔۔۔۔''میں نے حیران ہو کر کہا۔

''بس پتہ ہوتا ہے۔۔۔۔پتہ چلتا رہتا ہے۔''

''لیکن پھر بھی۔۔۔۔کیسے؟''

''مجھے پتہ تھا تم پہلے ائیر پورٹ جاؤ گے پھر یہاں آؤ گے۔''

''لیکن کیسے کیونکر؟۔۔۔۔کیا تم Chairvoyant ہو۔''

''میں نے۔۔۔۔۔ہی تو تمہیں ائرپورٹ بھیجا تھا قیوم۔۔۔۔جب تم۔۔۔۔ موٹر سائیکل پر واپس آ رہے تھے۔۔۔۔تو میں نے ہی تو تمہیں آواز دی تھی۔۔۔۔ بلایا تھا زور سے پوری طاقت سے۔''

''کیا۔۔۔کیا کہہ رہی ہو؟۔۔۔۔تمہیں کیسے پتہ چلا کہ میں۔۔۔۔۔۔میں۔۔ ۔۔؟''

''تمہیں شاید معلوم نہ ہو۔۔۔۔کہ آج آفتاب نے جب شیو کی تو اس کی ٹھوڑی پر گہرا کٹ لگ گیا تھا۔۔۔۔۔تم نے دیکھا نہیں اس کی ٹھوڑی پر زخم تھا جاتے وقت۔''

میں ہکا بکا رہ گیا۔۔۔۔جب آفتاب رخصت ہوا تو واقعی اس کی ٹھوڑی پر تازہ زخم کا نشان تھا۔

''تمہیں کیونکر پتہ چلا سیمی۔۔۔۔بولو بتاؤ۔''

سیمی نے کوئی جواب نہ دیا۔ دونوں بازو ڈھیلے چھوڑ دیئے اور کافور کے درخت سے کمر لگا کر بیٹھ گئی۔

میں دم دبائے کتے کی طرح اس کے پاس بیٹھا تھا۔۔۔۔اس کی آنکھیں بند تھیں پر وہ حیات کی دنیا سے پرے بھی بہت کچھ جانتی تھی۔ میں کھلی آنکھوں پاس تھا اور یہ بھی اور یہ بھی نہ جانتا تھا کہ اسے میرے آنے کی خوشی ہوئی ہے کہ غم۔۔۔۔ دراصل مجھے کبھی علم نہ ہو سکا کہ سیمی کے پاس کس وقت جانا چاہیے اور کس وقت اس کے پاس سے اٹھ جانا بہتر ہے۔ کس وقت وہ میری صحبت سے اوب جاتی ہے اور کس وقت اسے میرے پاس رہ کر لطف ملتا ہے۔ دو طرفہ محبت میں گومگوں کی حالت نہیں ہوتی۔ وہاں ہمیشہ لوہے اور مقناطیس کا میل ہوتا ہے۔ خفگی، ناراضگی غم کوئی بھی موڈ کیوں نہ ہو ملاقات احساس خوشی کا باعث بنتی ہے۔ ایسے عاشق بن بلائے مہمان

کی طرح میزبان کے گھر میں داخل ہوتے وقت اندر باہر نہیں ہو رہے ہوتے۔

ڈرتے ڈرتے میں نے اس کے گھٹنے پر ہاتھ رکھا۔

''تمہاری اس خوبی کا کالج میں تو پتہ نہیں تھا کسی کو۔۔۔۔''

''تب مجھ میں یہ خوبی تھی ہی نہیں۔۔۔۔ یہ Senstivity مجھ میں اب پیدا ہوئی ہے آفتاب کو کھو کر۔''

''لیکن کیسے کیسے۔۔۔۔ کیسے تمہیں ان باتوں کی اطلاع ہوتی ہے۔''

''محبت کرنے والے دلوں پر کئی بھید کھلتے رہتے ہیں آپی آپ قیوم۔۔۔۔ آپی آپ۔۔۔۔''

یکدم اس نے آنکھیں کھول دیں۔

اندر دھنسی ہوئی پرکشش آنکھیں۔

''پھر چھوڑ آئے اسے؟''

''تم۔۔۔۔ تم کیوں نہیں آئیں''

''آتو گئی ہوں۔۔۔۔ پنڈی سے۔''

''اسے ائیر پورٹ چھوڑنے کیوں نہیں آئیں۔''

وہ کافور کے پتوں کو مٹھی میں لے کر مسلنے لگی۔

''کیا کرتی ائیر پورٹ پر آ کر۔۔۔۔ اس کی زنجیز اس کی بیوی کے ہاتھ میں ہوتی۔ میں تو اس کے رشتہ داروں کے سامنے رو بھی نہ سکتی کھل کر۔''

ایک موٹا سا آنسو اس کی گال پر لڑھک آیا۔ میرا خیال تھا کہ یہ آنکھیں اپنے کوٹے کے تمام آنسو بہا چکی ہیں۔

''بیوی۔۔۔۔ آفتاب کی بیوی۔۔۔۔ کیسا عجیب لگتا ہے کہ۔۔۔۔ کہ کوئی اور آفتاب کی بیوی ہو۔۔۔۔ زیبا آفتاب۔۔۔۔ زیبا آفتاب۔''

وہ زیبا کے لفظ کو یوں دوہراتی رہی جیسے نئے کھلونے لے کر کوئی بچہ انہیں ہتھیلیوں

میں پھراتا ہے۔

میری عقل داڑھ سیکنڈ ائیر میں نکلی تھی۔۔۔۔ان دنوں ماموں کے گھر کے لیے یہا یک بہت بڑا مسئلہ تھا۔۔۔۔پچھلے مسوڑھے سوج کر چھوٹی چھوٹی گلابی پلاسٹک کی گلٹیاں بن گئے تھے ڈاکٹروں کا خیال تھا کہ چہرہ دیے بغیر عقل ڈاڑھ کا نکلنا ناممکن ہے۔ میں راتوں کو لیٹے لیٹے ان سوجے ہوئے مسوڑھوں پر زبان پھیرتا گلٹیوں میں دور ہوتی اس دور ہلکی سی لذت ہوتی۔پھر یہ خوف مسلط ہو جاتا کہ جب ڈاکٹر چیرہ دے گا تو کیسی دور ہوگی۔بار بار آفتاب کی بیوی کا نام لے کر سیمی بھی ایسی ہی خوفزدہ لذت سے آشنا ہو رہی تھی۔

''وہ لندن میں اس کے ساتھ رہے گا کسی Apartment میں۔۔۔۔ہیں ناں قیوم۔''

میں چپ رہا۔

''اس کے گھر کی کھڑکی کے آگے تین جرنیم کے گملے ہوں گے۔دروازے کی کال بل ڈھیلی ہوگی۔جب کبھی آفتاب کال بل پر انگلی رکھے گا۔زیبا اندر سے جا کر اس کے لیے دروازہ کھولے گی۔لندن میں ٹھنڈ شروع ہوگئی ہوگی۔زیبا آفتاب کا ٹھنڈا ہاتھ اپنے گرم ہاتھوں میں پکڑ لے گی۔''

''جواذیت تم نے دیکھی نہیں سیمی۔۔۔۔اس تخیل کی مدد سے کیوں اس قدر جان لیوا کر رہی ہو۔''

اس نے میری بات کا نوٹس نہ لیا وہ کافور کے پتے مسلتی ہوئی بولے جا رہی تھی۔۔

''سردیوں میں۔۔۔۔۔لمبی راتوں میں ایک ہی تکیے پر سر دھرے وہ آدھی آدھی رات تک باتیں کریں گے۔۔۔۔اور آفتاب اسے میرے متعلق ایسے سب کچھ بتائے گا جیسے۔۔۔۔۔ میں حقیقت نہیں تھی ایک وہم تھی۔۔۔۔ایک

"Infatnation"

''شاید اپنی بیوی کے ساتھ ایک ہی تکیے پر سر رکھ کر بھی سوتے ہوں۔''

''لیکن کوئی بھی اس سے آدھی رات تک باتیں نہ کرتا ہو''

''سب اسی طرح سوتے ہیں سب اسی طرح باتیں کرتے ہیں۔۔۔۔تم چپ رہو تمہاری کوئی شادی ہوئی ہے۔''

میں نے پورے دو سال اس لڑکی سے یک طرفہ محبت کی تھی۔۔۔۔ایسی یک طرفہ محبت جس میں اتنی امید بھی نہ تھی کہ میری محبت کو قبول ہی کر لیا جائے گا۔آفتاب درمیان سے نکل گیا تھا۔ہوسکتا ہے یہ کافور کے درخت کا اثر تھا یا شاید جان بلب سیمی کے جسم کی خوشبو تھی ہوسکتا ہے کہ سارے باغ میں گرمی میں جھلسا ہوا اندھیرا چھا گیا تھا۔پتہ نہیں کیا چیز تھی جس نے بغیر امید کے میرے حوصلے بلند کر دیے تھے، اس وقت میری جسمانی جذباتی اور قلبی اشتہابت بڑھ گئی تھی۔میں کبھی ہنستے چہروں سے پیار نہ کر سکا۔شاید بہتے آنسو دیکھ کر میری روح میں کسی خاص قسم کا عمل جاری ہو جاتا ہے۔

میں نے اس سارے عشق کے اظہار کا ارادہ کر لیا جو ایک عرصہ سے میرے دل میں دفن تھا۔مجھے علم تھا کہ اس اظہار سے مجھے کچھ حاصل نہ ہوگا۔۔۔۔۔نہ ہمدردی، نہ محبت۔وہ کسی اور نیوکلس کے گرد کسی اور محور پر گھوم رہی تھی۔۔۔۔میں جانتا تھا کہ جب تک میں اس کی خاطر اپنی ذات کو مٹاتا رہوں گا وہ میرے وجود کو برداشت کرتی رہے گی۔لیکن جہاں سے میری ذات کے تقاضے شروع ہوں گے وہ دریا کنارے کھڑی سیاہ چشمہ لگائے ڈوبنے والی کشتی کا منظر دیکھ کر ہاؤ سویٹ کہے گی اور پیٹھ موڑ لے گی۔میں اس کا کریڈٹ کارڈ تھا جسے دکھا کر بھنوا کر وہ ہمیشہ آفتاب حاصل کرتی تھی میں ہنر ماسٹرز وائس تھا جونہی اس کی سوئی مجھ پر پڑتی میں آفتاب پکارنے لگتا اس سے پرے کچھ نہ تھا۔

اتنا سب کچھ جاننے کے باوجود میں اس کے سامنے بالکل مجبور تھا۔

میں نے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں اٹھا کر پوچھا۔۔۔۔۔ ''کیا تمہارے لیے یہ کافی نہیں کہ۔۔۔۔۔ کہ کبھی آفتاب کو تم سے محبت تھی؟۔''

وہ ہنس دی۔۔۔۔ اس کا چہرہ اس قدر قریب تھا کہ باسی چیونگ گم کی خوشبو کے بھبکے میری طرف آنے لگے۔

''محبت پانے والا کبھی اس بات پر تو مطمئن نہیں ہو جاتا کہ اسے ایک دن کے لیے مکمل طور پر ایک شخص کی محبت حاصل ہوئی تھی۔ محبت تو قیوم ہر دن کے ساتھ اعادہ چاہتی ہے۔ جب تک روز اس تصویر میں رنگ نہ بھرو تصویر فیڈ کرنے لگتی ہے جیسے۔۔۔ جیسے روز سورج نہ چڑھے تو دن نہیں ہوتا۔ اسی طرح جس روز محبت آفتاب طلوع نہ ہو رات رہتی ہے۔۔۔۔ تم ان باتوں کو نہیں سمجھ سکتے۔۔۔۔ مجھے غم نے فلسفی بنا دیا ہے۔۔۔۔ تمہیں کیا پتہ زمین کا ہر قطعہ سورج کیوں مانگتا ہے جس شخص سے محبت ملے ہمیشہ اسی کے پاس رہنے کو کیوں جی چاہتا ہے۔۔۔۔'' وہ خدا جانے کب اور کیسے اتنی اردو سیکھ گئی تھی۔

''اب۔۔۔۔ اب وقت ہے۔۔۔۔ اتر راجہ گدھ اب وقت ہے۔۔۔۔'' میں نے جی کی بات سن کر اندر ہی اندر کہا۔

''کچھ لوگوں کو ایک دن کے لیے بھی اپنا من چاہا۔۔۔۔ آفتاب نہیں ملتا۔ یہی اندھیروں کے متعلق کیا ارشاد ہے جو ہمیشہ روشنیوں سے ہٹ کر رہتے ہیں'' میں نے پوچھا۔

اس نے مجھ پر نظر ڈالی اور پھر لاتعلق ہو گئی۔۔۔۔ اسے میرے اندھیروں سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ میرے اظہار عشق سے اس کا وقت ضائع ہوتا تھا۔ دراصل وہ کوئی ایسی بات سن ہی نہیں سکتی تھی۔ جس کا اس کی اپنی ذات کے ساتھ تعلق نہ ہو۔ اس کے اندر کہیں ایسا کٹ آؤٹ لگا تھا جو اپنا ذکر بند ہوتے ہی فوراً ساری بجلی کا کرنٹ

بند کر دیتا۔۔۔۔

''اسے مجھ سے بڑی محبت تھی قیوم۔۔۔۔اب تو۔۔۔۔میں کوئی ثبوت بھی نہیں دے سکتی۔۔۔۔لیکن فقتھ ائیر میں وہ مجھ سے بڑی شدید محبت کرتا تھا۔۔۔۔کبھی کبھی مجھے لگتا میر بغیر وہ مر جائے گا۔۔۔۔یا شاید۔۔۔۔یا شاید یہ بھی میرا وہم تھا۔''

''ان باتوں سے حاصل سیمی؟ اس توڑ پھوڑ سے کیا بنے گا۔''

''مجھے اب اپنا کچھ نہیں بنانا قیوم۔''

''تم اسے خط لکھنا چاہو گی۔''

''نہیں۔''

''کیوں؟''

''کیا ملے گا خط لکھ کر؟ میرے خط تو شاخوں پر ہی سوکھ گئے نہ میں نے انہیں گلدان میں سجایا نہ کسی نے انہیں گلے کا ہار کیا۔''

میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔وہ اس طرح کسمسائی جیسے غلطی سے تھنڈے پانی کا شاور سردیوں میں اپنے اوپر کھل جائے۔

''سنو سیمی تم ماڈرن لڑکی ہو۔۔۔۔تمہارے کٹے ہوئے بال ہیں۔لباس چال ڈھال سب ماڈرن ہے۔تم نے آفتاب کی نقل میں اپنے آپ کو مشرقی کر لیا۔اردو سیکھ لی یہ اور بات ہے۔۔۔۔لیکن اندر سے تم Liberated لڑکی ہو۔خدا قسم ایسی لڑکی قتل کرتی تو اچھی لگتی ہے قتل ہوتی کچھ اوپری سی لگتی ہے۔''

''پھر میں کیا کروں کیا کروں قیوم۔۔۔۔اس نے زیبا کو مجھ پر کیوں ترجیح دی۔ کیوں کیوں کیوں؟''

''آج کا ماڈرن مرد اور عورت سمجھوتہ کرتے ہیں ماحول سے اپنی غلطیوں سے اپنی Genetics سے۔''

وہ اب رات کے پہلے اندھیروں میں کھو رہی تھی۔صرف اس کی آنکھوں کی دھنسی ہوئی چمک جگنوں کی طرح اندھیا روشن کرنا چاہتی تھی۔

''اس کی خاطر میں نے ایم اے چھوڑا۔۔۔گھر چھوڑا۔۔۔اور وہ مجھے چھوڑ کر چلا گیا۔میرا دل مانے بھی۔۔۔دل مانتا تو مر جانے کو جی چاہتا ہے۔۔۔ آفتاب چلا گیا اب کچھ ہو تھوڑا جا سکتا ہے۔''

میں اس کو سمجھانے کے انداز میں بولا۔۔''سنو سیمی ان باتوں سے کچھ نفع نقصان نہیں ہوتا کبھی۔۔۔یہ باتیں ہر جگہ ہر سمے ہر رت میں یہاں وہاں ہوتی رہتی ہیں تمہیں کبھی اس اعتقاد سے نہیں ہٹنا چاہیئے کہ جیسی محبت اس نے تم سے کی پھر کبھی کسی سے نہ کر سکے گا۔''

''تمہیں کیسے پتہ چلا؟۔۔۔کوئی ثبوت ہے تمہارے پاس؟''

''وہ۔۔۔بڑا شرمیلا اور محتاط تھا سیمی۔۔۔میں نے کسی لڑکی سے اسے بات کرتے کبھی نہیں دیکھا تمہاری جانب وہ خود بخود کھنچتا جاتا تھا۔اس کی روح۔۔۔ اس کی سائیکی اس کا جسم سب تمہارے تابع تھے۔۔۔اسے نہ بدنامی کا ڈر تا۔۔۔ ۔نہ بربادی کا۔۔۔بس وہ کھنچتا رہتا تھا خود بخود۔۔۔خود بخود۔۔۔''

''مائی فٹ او تم چھوڑو قیوم۔۔۔اچھا خود بخود تھا اسی لیے اتنی آسانی سے چلا گیا۔''

ایسی سیمی کو میں کیا بتاتا کہ میں اس سے پورے دو سال عشق کرتا رہا ہوں۔ شاعروں کا سا عشق۔۔۔مجذوبوں کی سی لگن کے ساتھ۔۔۔میں ایسی لڑکی کو کیا بتاتا کہ کچھ لوگ پہاڑوں کی اس جانب ہوتے ہیں جہاں سورج کبھی نہیں چمکتا۔۔۔ ۔جو سورج کی حدت کو ہواؤں سے اخذ کرتے ہیں کچھ لوگ اپنے جسم پر خوشبو نہیں لگاتے۔دوسروں کے لباس میں لگی خوشبو کو سانسوں سے اپنے اندر پہنچاتے ہیں۔

''مجھے تم سے محبت ہے۔۔۔سیمی۔۔۔کیا یہ تمہارے لیے کافی ہو سکتی ہے؟''

میں نے لجاجت سے کہا۔

''آئی ایم سوری لیکن میں تمہاری محبت کو کیا کروں قیوم ۔۔۔۔اس کا تو نکاح ہو گیا۔۔۔۔پورا اور اصل ۔۔۔۔پکے کاغذوں والا۔''

کسی نو بیاہتا بیوی کی طرح وہ میرے کندھے سے لگ کر ہولے ہولے کراہنے لگی۔

میں نے اس کے سر کر بوسہ دیا۔۔۔یہ بوسہ میری روح کا تحفہ تھا۔

پھر میں نے اس کے ماتھے کو چوما۔۔۔۔اس التفات میں میرے دل کا نزرانہ تھا

آہستہ سے میں نے اس کی گال پر اپنے ہونٹ ثبت کیے۔میری ذات دست بستہ جھکی لیکن جس طرح وہ میرے الفاظ سے بے نیاز رہی اسی طرح میرے لمس سے بھی اس میں کوئی حدت پیدا نہ ہوئی۔

''ہائے میں مر جاؤں سیدھا نکاح۔۔۔۔دو گواہوں والا۔۔۔۔برات والا۔۔۔ہم میں تو کبھی لڑائی بھی نہیں ہوئی۔۔۔۔ہم تو کبھی ایک دوسرے سے ناراض بھی نہیں ہوئے۔پھر یہ کیسی سزا دی مجھے۔۔۔۔کیوں قیوم کیوں؟''

''سنو سیمی نہ شادی کا محبت سے تعلق ہے نہ محبت کا شادی سے۔۔۔۔ساختہ کو بے ساختہ سے کیا میل۔''

وہ یکدم سیدھی بیٹھ گئی کبھی کبھی سوشیالوجی کی کلاس میں وہ کسی پروفیسر سے بحثنے لگتی تھی تو اس کے چہرے پر ایسے ہی اتار چڑھاؤ آجاتے تھے۔

''لیکن شادی کا رفاقت سے تو تعلق ہے۔۔۔۔ایک پلنگ ایک چھت۔۔۔۔ایک گھر سانجھے بچے۔۔۔۔ان چیزوں کو تم پورے طور پر Ignore بھی نہیں کر سکتے قیوم۔''

میں چپ رہا۔۔۔۔وہ دیر تک میرا چہرہ دیکھتی رہی لیکن اس دیکھنے میں میری پہچان نہ تھی وہ مجھ سے پرے پروفیسر کی نگاہ سے ایک اہم مسئلے کو ایک تعلیم یافتہ لڑکی

کی نگاہ سے دیکھ رہی تھی۔ وہ اس وقت الفاظ تلاش کر رہی تھی جیسے کم بیلنس والے لوگ چیک لکھتے وقت ذہن میں پڑتا لگاتے ہیں کہ کتنی رقم کا چیک لکھیں تو پیسے مل جائیں گے۔ وہ بار بار منہ کھولتی اور بند کر لیتی اس کے اندر کا پریشر کھلنے کے لیے بے قرار تھا لیکن نکاس کی کوئی صورت نہ تھی۔

شاید اسے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ میں اس کے ماتھے اور گالوں کو چوم چکا تھا۔!

''میں پنڈی واپس جانا نہیں چاہتی۔ حالانکہ وہاں مجھے ایک ٹریول ایجنسی میں نوکری مل گئی ہے۔''

''چلی جاؤ''

''نہیں جا سکتی۔''

''پھر!۔۔''

''یہاں لاہور میں میرے Parents ہیں میں ان کے پاس جا سکتی ہوں۔''

''تو چلو۔۔۔۔میں تمہیں چھوڑ آؤں گا۔''

''نہیں جا سکتی۔''

''تو کہاں جاؤ گی اتنی رات گئے۔''

''یہیں رہوں گی۔''

''اتنی گرمی میں ساری رات۔''

''جب تک مجھے سمجھ نہ آ جائے قیوم۔۔۔۔کہ۔۔۔۔۔اس نے مجھے کیوں چھوڑا۔یا میرا دل نہ مان جائے کہ یہ سب کچھ جھوٹ تھا میں کہاں جا سکتی ہوں بھلا؟ بتاؤ ناں۔۔۔۔''

مجھے کچھ سمجھ نہ آتی تھی کہ میں کیا کروں۔اب گورنمنٹ ہاؤس کے سامنے مال روڈ کے ٹریفک کی آواز بھی کم ہو چکی تھی۔

گرمی تھی حبس تھا۔۔۔اور سارے میں کافور کی اندھی خوشبو تھی ایک کونونٹ کی

پڑھی لکھی لڑکی کا منہ زور عشق تھا۔

''تم آفتاب کو نہیں جانتیں۔ وہ کسی پریشر تلے کچھ کرنے کا عادی نہ تھا۔۔۔۔ اس نے تمہیں کسی دباؤ تلے نہیں چاہا اور کسی پریشر تلے اس نے شادی نہیں کی ہے۔ اس بات سے تمہیں سمجھوتہ کرنا ہوگا سیمی۔۔۔۔ آفتاب کا جسم ضرور زیبا کا ہے لیکن اس کا دل۔''

وہ اب پھر کلاس میں بیٹھی تھی۔۔۔ اس کا چہرے پر سوال بھی تھے اور جواب بھی۔ ۔۔۔ جیسے وہ سوشیالوجی کی کوئی دقیق کتاب ساری رات۔۔۔۔ پڑھتی رہی ہو۔

''جانے دو قیوم۔۔۔ انسانوں کے حصے بخرے نہیں ہو سکتے۔۔۔۔ آدمی دولت بانٹ سکتا ہے مراعات میں انصاف کر سکتا لیکن اپنے اندر کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے کتوں کے آگے نہیں ڈال سکتا، پتہ نہیں تم میری بات سمجھ بھی رہے ہو کہ نہیں۔۔۔۔ سنو۔۔۔۔ ینگ مین۔۔۔۔ ٹکڑے ٹکڑے انسان سے کسی کی سیری نہیں ہوتی۔ اگر میری اس سے شادی ہو جاتی تو کیا میں برداشت کر لیتی کہ دل میں ہو کسی اور کی پرستش کرتا رہے اور جسمانی طور پر میرا رہے۔ اور جسمانی طور پر میرا رہے۔۔۔۔۔ کبھی گارڈ آدھے یا پونے پہیے پر بھی چلی ہے؟ آدمی پورا مل جائے تو خلا نہیں بھرتا تم آدھے پونے کی بات کر رہے ہو۔''

میں نے سیمی پر نظر ڈالی۔

میں نے محسوس کیا کہ مجھے کچھ سودا ہے جو میں اس گرمی میں جب کہ زمین اور آسمان دونوں حبس میں لرز رہے ہیں گہری رات کے وقت ایک اجنبی لڑکی کے ساتھ بیٹھا ہوں۔ ایسی لڑکی جس کا محبوب اسے چھوڑ کر لندن چلا گیا اور جو اس کے فراق میں آگے پیچھے دائیں بائیں کچھ نہیں دیکھ سکتی

لیکن ہم تو کرگس کے لوگ ہیں۔ ہم تو ازل سے ان مردوں پر پلے تھے۔ ہم گدھ برادری کے لوگ سیمی کو آدھے پونے کی بات کیا سمجھاتے۔۔۔۔ ہم تو گرم خون کے

عادی ہی نہ تھے ہم اسے کیسے سمجھاتے کچھ لوگوں کو صرف جسم کے سہارے زندہ رہنے کا حکم ہوتا ہے

''جب آفتاب نے مجھ سے کہا کہ وہ شادی کر رہا ہے تو۔۔۔۔تو میں نے اس سے پوچھا تھا۔۔۔۔کیوں؟۔۔۔۔کیوں آفتاب؟۔۔۔۔پر اس نے میری کسی بات کا جواب نہیں دیا۔''

''شاید اس کے پاس ایسا کوئی جواب نہ تھا جو اس کی اپنی تشفی کر سکتا ہو۔''

''اس روز اس نے آسمانی کے رنگ سے بھی ہلکی چیز کلاتھ کی قمیض پہن رکھی تھی۔ میں نے اسے کالروں سے پکڑ کر اتنی بار پوچھا کہ اس کے کالر کی سلائی نکل گئی قیوم۔۔۔۔۔''

''کیا پوچھا۔''

''دل ساتھ نہ ہو تو شادی کا فائدہ آفتاب۔۔۔۔جسم ساتھ نہ دے تو ہمیشہ کے سنجوگ سے حاصل۔۔۔۔میں سے کھنچتی رہی پوچھتی رہی اور وہ کہتا رہا کیا لنگڑے زندہ نہیں رہتے کیا اندھے چلتے پھرتے نہیں۔۔۔۔۔میں مر رہی تھی اور وہ کمینہ میری بات کا جواب بھی نہ دیتا تھا۔۔۔۔۔'' یہ کہتے ہوئے وہ دوبارہ مر رہی تھی۔

اس وقت ریسوران سے آنے والی موسیقی کی آواز بند ہوگئی۔ دیر سے جانے والوں کی چاپ بھی سنائی نہ دیتی تھی۔کبھی کبھی دور سے کسی سپاہی کی سیٹی اچانک سر سے نکل کر درختوں پر سوئے پرندوں کو جگا دیتی اور تھوڑی دیر کے لیے درختوں پر پھڑ پھڑانے کی ہلچل ہوتی اور پھر سب خاموش ہو جاتا۔

ستمبر کی گرم رات کا پچھلا گرم پہر۔

میں نے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا۔اس کے دونوں کندھے جھنجھوڑ کر میں نے پوچھا۔۔۔۔''تمہیں محبت چاہیئے۔۔۔وفا چاہیئے۔۔۔رفاقت؟''

''ہاں۔۔۔۔ہاں۔۔۔۔ہاں۔۔۔۔میں بچپن سے بہت

Pampered ہوں قیوم میں محبت کے بغیر زندہ نہ رہ سکوں گی لیکن ۔۔۔۔لیکن اب زندہ رہنے کی ضرورت بھی کیا ہے۔۔۔۔'' بار بار متعدی بیماری کی طرح مایوسی اس پر حملہ کر دیتی۔

'' میں تمہیں زندہ رکھوں گا۔ جس طرح سات ماہ کے بچے کو ہسپتال کے Incubator میں زندہ رکھتے ہیں۔''

''اچھا قیوم؟ ۔۔۔۔تم مجھے بچالوگے ۔۔۔۔اس سے سیمی سے؟ ۔۔۔۔میں جانتی ہوں تم بھی مجھے مرنے کے لیے چھوڑ دو گے کسی دن۔''

''نہیں نہیں سیمی میں تمہیں اپنی روح کی حدت سے زندہ رکھوں گا۔۔۔۔خدا قسم میں تمہیں مرنے نہیں دوں گا Never''

یہ صرف گدھ جاتی کی عقل ہے کہ وہ مرے ہوؤں سے زندگی کا وعدہ کرتے ہیں اس وقت میرے پاس کچھ نہ تھا۔ صرف ہمدردی کا ست رنگا جال۔۔۔۔آفتاب نے یہ غزال شہر شکار کیا تھا مجھے اس مردہ لاش کو کھانے کا حکم تھا۔ وہ نربل نڈھال کافور کے درخت تلے نیم مردہ پڑی تھی۔ یہ لارنس باغ کا وہ حصہ تھا جہاں شام پڑتے ہی جنات کا پہرہ ہو جاتا ہے کئی صاحب دل لوگوں کو یہ جنات خود مل چکے ہیں۔ کچھ ان کو مشعلیں جلائے درختوں میں غائب ہوئے دیکھا ہے کچھ ان کے گنجے سر، نوگزے قد دیکھ کر باغ سے سرپٹ بھاگے ہیں اس وقت ان ہی جنات کے خوف۔۔۔۔سے

کوئی مالی چوکیدار سپاہی ادھر نہیں آتا۔

سارے میں جگنو میقش لگے دوپٹے کی طرح چمک رہے تھے اور سیمی کافور کے پتوں پر ہلکے ہلکے پسینے میں ٹھنڈی بوتل کی طرح ہولے ہولے بھاپ چھوڑ رہی تھی۔

یہاں سیمی سے میرا ایک نیا تعلق پیدا ہوا۔ جسمانی رفاقت کا بانجھ سفر سیمی کو اپنی پردانہ تھی وہ آفتاب کے بعد کس کی تھی کیوں تھی؟ اس بات کی اسے خبر نہ تھی۔ دراصل

مغربی تعلیم نے اس کے اندر ایک خاص قسم کی منفرد وفا پیدا کر دی تھی جس کا تعلق صرف روح سے تھا اسے جسمانی تعلقات کی رتی برابر بھی پروا نہ تھی کافور کے درخت تلے سیمی سے میں ہمیشہ کے لیے منسلک ہو گا جیسے اسی کے جسم کا حصہ تھا اور وہ اپنے آپ کو میری تحویل میں دینے کے باوجود بالکل الگ تھلگ رہی۔۔۔۔ جیسے بنک کا ٹوکن۔۔۔ آپ کی مٹھی میں ضرور ہوتا ہے لیکن آپ کی ملکیت نہیں ہوتا۔

جب آفتاب کو اس کے جسم کی ضرورت نہ تھی تو اس کا جسم کوڑے کا ڈھیر تھا۔ اب اسے فکر نہ تھی کہ اس کوڑے کے ڈھیر پر کون اپنی غلاظت پھینکتا ہے اپنا جسم میرے سپرد کرنے سے کچھ لمحے پہلے وہ ملاتیہ فرقے میں شامل ہو گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے شہر یار سے بے دریا ہو گ سیمی میں اتنی قوت نہ تھی کہ وہ میرا مقابلہ کر سکتی وہ مرنے سے بہت پہلے مرنے کا راز پا گئی تھی اسنے منہ سے ایک لفظ نہ کہا کھلی آنکھوں سے مجھے ایسے دیکھتی رہی جیسے میں موجود نہیں تھا۔ میرا خیال تھا کہ اگر آنکھوں کے راستے دل میں داخل ہونے کا راستہ نہ ہو تو دل تک جانے کے اور بھی کئی راستے ہو سکتے ہیں۔ اس وقت مجھے معلوم نہ تھا کہ دل صرف ایک راہ جاتی ہے اور وہ جسم کا راستہ نہیں ہے جسم کے جنکشن پر انجن رک سکتا ہے۔ کوئلہ پانی درست کر سکتا ہے لیکن ہمیشہ جنکشن پر کھڑا نہیں رہ سکتا، جسموں کے اتصال سے ایک نیا جسم ایک نئی روح جنم لے سکتی ہے لیکن ایک روح دوسری روح سے نہیں مل سکتی۔ بشرطیکہ ان کی روحیں پہلے ہی یک رنگی اختیار نہ کر چکی ہوں ویسی صورت میں یہ ملاپ بندوق کی لبلبی کا کام دیتا ہے تڑاہ تڑاہ کی آواز بھی نکلتی ہے فائر بھی چلتا ہے اور دو شکار ایک وقت میں مرتے ہیں روحوں کا اتصال پہلے نہ ہو چکا ہو تو جسمانی تعلق احساس گناہ بھی ہے۔۔۔۔ اور ہمہ شکستگی بھی۔

جب میں نے اس کا کفن دوبارہ بند کیا تو وہ آنکھیں بند کیے چپ لیٹی تھی وہ نہ میرے ساتھ تھی نہ میرے مخالف۔ وہ کسی ایسے شرابی کی بیوی تھی جو ہزار مجبوریوں